# کائنات کی تخلیق
# اور
# آسمانی ہدایت کے تدریجی مراحل

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۷ر نومبر ۲۰۰۸ء کا خطاب جمعہ

بمقام قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور

تنظیم اسلامی کا کُل پاکستان اجتماعِ عام ۲ تا ۴ نومبر ۲۰۰۸ء فردوسی فارم' دراجکے (سادھوکی) کے مقام پر منعقد ہوا۔ اجتماع کے آخری روز ۴ نومبر کو شرکاءِ اجتماع ریلی کی صورت میں اجتماع گاہ سے روانہ ہوئے اور جی ٹی روڈ کے راستے مینارِ پاکستان پہنچے۔ مینارِ پاکستان کے سبزہ زار میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ نے رفقاءِ تنظیم اسلامی اور دیگر حاضرین سے سورۃ المدثر کی آیات ۳۲۔۳۶ اور سورۃ الانشقاق کی آیات ۱۶۔۲۰ کی روشنی میں ایک مختصر مگر جامع خطاب فرمایا۔ بعد ازاں محترم ڈاکٹر صاحب نے اس جامع اور compact خطاب کے مضامین کو جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں اپنے خطاباتِ جمعہ میں سلسلہ وار بیان فرمانا شروع کیا۔ اس سلسلے کا پہلا خطاب ۷/ نومبر کو ہوا' جسے مرتب کر کے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ میثاق)

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾﴾ (المدثر)

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾﴾ (الانشقاق)

## اللہ تعالیٰ کے احسانات پر شکر کی تلقین

محترم رفقاء تنظیم اسلامی و احباب گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ نعمتیں بخشی ہیں اُن پر میں خود بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ سب سے بھی یہ کہتا ہوں کہ اللہ کا شکر ادا کریں۔ ویسے تو قرآن میں آیا ہے کہ: ﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ﴾ (ابراھیم: ۳۴) ''اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو اُن کا احاطہ نہیں کر سکتے''۔ یقیناً اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں' جن کا ہمیں احساس اور ادراک نہیں' لیکن بہرحال جو بڑی بڑی نعمتیں ہمیں عطا ہوئی ہیں انہیں گن لیجیے۔

سب سے پہلے ہمیں اس پر شکر کرنا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں شرفِ انسانیت سے سرفراز فرمایا۔ وہ انسان جو مسجودِ ملائک ہے' جس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ﴾ (الاسراء: ۷۰) ''اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو تکریم عطا کی ہے اس کے باعث یہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بنی نوعِ آدم میں سے پیدا کیا یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔

پھر اس کا دوسرا بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں ہماری کسی محنت کو دخل نہیں ہے' یہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اگر خدانخواستہ ہم کسی غیر مسلم گھرانے میں' ہندوؤں میں' سکھوں میں' عیسائیوں میں یا یہودیوں میں پیدا ہو گئے ہوتے تو اس بات کا کتنا امکان تھا کہ ہمیں نعمتِ اسلام میسر آتی؟ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو پھر بھی اپنی طلب و جستجو سے تلاشِ حق میں سرگرداں ہوتے اور اسلام کو اختیار کرتے؟ ظاہر بات ہے کہ اس کا تو نہ ہونے کے برابر امکان ہے۔ تو یہ اللہ کا دوسرا بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمانوں میں پیدا کیا۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دولت ایمان سے نوازا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خصوصی عنایت ہے اور یہ وہ دولت ہے جس سے تمام مسلمان سرفراز نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور قلب کی گہرائیوں میں دیکھیں تو ہم میں سے جس کو بھی وہاں ایمان نظر آئے وہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ اس لیے کہ ایمان سے بڑی دولت اور کوئی نہیں۔

پھر اس پر بھی اللہ کا شکر واجب ہے کہ اُس نے ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ ہم جو یہ دعا مانگا کرتے ہیں: اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْاِیْمَانِ وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ ''اے اللہ! ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرما دے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے''۔ تو ایک ہے ایمان سے دلوں کا منور ہو جانا اور ایک ہے اسلام پر انشراح حاصل ہو جانا۔ یعنی یہ اطمینان حاصل ہو جانا کہ یہی بہترین نظام ہے جو اللہ نے ہمیں عطا کیا۔ اس کی تفاصیل پر بھی ذہناً اور عقلاً اطمینان ہو جانا کہ واقعتاً یہی بہترین نظام اور یہی بہترین قانون ہے جو اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اس پر انشراح ہو جانا کہ یہی سیاسی نظام' یہی معاشی نظام اور یہی سماجی نظام بہترین ہے جو اللہ نے دیا ہے۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان گنوایا ہے: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱﴾ (الانشراح) ''کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟'' ایک اور مقام پر آتا ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾ (الانعام: ۱۲۵) ''پس جس کے لیے اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ہدایت بخشے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے''۔ یعنی اس کو واقعتاً نظر آ جاتا ہے کہ اسلام کی ہر تعلیم بہترین ہے' نورانی ہے' عقل و شعور کے ترازو میں پوری اترنے والی ہے۔ اس پر جس کسی کو بھی انشراح حاصل ہو جائے' جس درجے میں بھی ہو اس پر اللہ کا بڑا فضل ہے' اور اس کے ذمے ہے کہ وہ اللہ کے اس احسان پر شکر ادا کرے۔

پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ فضل ہوا ہے کہ اُس نے ہمیں دین کا جامع تصور بھی بخشا اور فرائض دینی کے جامع تصور کا شعور بھی عطا کیا۔ دین کا جامع تصور یہ کہ دین اسلام صرف ایک مذہب نہیں ہے' یہ صرف انفرادی زندگی کا معاملہ نہیں ہے' یہ صرف عقائد' عبادات اور چند رسومات پر مشتمل نہیں ہے' بلکہ یہ دین ہے' ایک مکمل نظام ہے۔ اور ایک مکمل نظام ہونے کی وجہ سے ہی سے یہ نوعِ انسانی کے لیے رحمت بنتا ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ واحد نظام ہے جو سیاسی سطح پر' معاشی سطح پر اور سماجی سطح پر عدل و انصاف فراہم کرتا ہے۔ اس سوشل جسٹس کے لیے قرآن ''قسط'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ اس قسط کو قائم کرو: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (النساء: ۱۳۵) ''اے ایمان والو! عدل و انصاف کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ اور اللہ کی طرف سے گواہی دینے والے بن جاؤ''۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ﴾ (الاعراف: ۲۹) ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے ربّ نے تو مجھے عدل کا حکم دیا ہے''۔ اور سورۃ الحدید میں یہ بھی فرمایا کہ: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ﴾ (آیت ۲۵) ''ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا بینات (اپنی نشانیاں اور واضح تعلیمات) دے کر اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری' تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں''۔ تو وہ دین جو ہمیں ملا ہے درحقیقت ایک مکمل اور اس کے ساتھ ساتھ معتدل اور متوازن سسٹم آف سوشل جسٹس ہے' محض عقیدہ' عبادات اور رسومات کا پلندہ نہیں۔

پھر یہ کہ ہمیں فرائض دینی کا جامع تصور نصیب ہوا کہ جہاں نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج فرض ہے وہاں اقامت دین کی جدوجہد بھی فرض ہے۔ مسلمانوں میں سے بہت کم لوگ ہیں جو اِس تصور کے حامل ہیں۔ آج ۹۹ فیصد مسلمان تو اسلام کو صرف مذہب سمجھ رہے ہیں' دین سمجھ ہی نہیں رہے۔ اور اس کو قائم کرنا بھی کوئی ذمہ داری ہے' اس کا تو ہمارے ہاں کوئی تصور ہے ہی نہیں۔ عبادات کا تصور تو بہت پختہ ہے۔ ہر سال تیس تیس لاکھ آدمی حج کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں عمروں کی ادائیگی کا بھی بہت ذوق و شوق ہے اور رمضانِ مبارک کے عمرے میں حج سے بھی زیادہ حاضری ہو جاتی ہے۔ حیران کن بات ہے کہ اب ہزاروں افراد کے اعتکاف ہونے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اس شہر لاہور میں ۲۵ ہزار افراد کا شہر اعتکاف آباد کیا گیا۔ شنید ہے کہ اہل حدیث حضرات کے ہاں جامع قادسیہ میں بھی اڑھائی ہزار کے قریب لوگ اعتکاف میں بیٹھے۔ تو

یہ مذہب کا تصورتو ہے' مگر دین کہاں ہے؟ روئے ارضی پر کوئی ایک انچ زمین دکھا دیں جہاں اللہ کا دین بہ تمام وکمال قائم ہو! چنانچہ اقامت دین کی فرضیت کا شعور بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ پھراس کے لیے کسی منظّم جماعت میں شامل ہوکر دامے' درمے' سخنے' اپنی جان اور مال کے ذریعے سے جدوجہد کی جائے' یہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہے جو کسی فردِ بشر پر ہوسکتا ہے۔ تو اِن تمام انعامات پر اللہ تعالیٰ کا شکر وسپاس لازم ہے۔

میں نے ابھی اللہ تعالیٰ کے مادّی انعامات کا ذکر نہیں کیا جو ہمیں میسر ہیں۔ بے شمار ایسی بیش قیمت نعمتیں ہیں جو بلا قیمت ملتی ہیں۔ مثلاً ہوا اور پانی ہی کو لیجیے جن پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ اور نمعلوم کتنی نعمتیں ہیں جن کا ہم حساب بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں آج معلوم ہوا ہے کہ ہری مرچ کے اندر وٹامن سی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ امیر آدمی وٹامن سی حاصل کرنے کے لیے سنگترے اور مالٹے کھاتا ہے' لیکن اللہ نے ایسا نظام رکھا ہے کہ غریب آدمی بھی محروم نہ رہے۔ چنانچہ ہری مرچ کے اندر اس سے کئی گنا زیادہ وٹامن سی رکھ دیا ہے۔ اگر کسی غریب آدمی نے ہری مرچ میں نمک رگڑ کر اس کی چٹنی بنائی اور اس سے روٹی کھالی تو اس کو بھی وٹامن سی تو مل گیا۔ اسی طرح وٹامن اے کا ڈلیور آئل اور دوسرے بڑے قیمتی روغنیات میں ہوتا ہے' لیکن اس کی سب سے بڑی مقدار گاجر میں ہے۔ یہ تو جیسے جیسے ہماری سائنسی معلومات بڑھ رہی ہیں تو اللہ کی نعمتوں کا اندازہ ہو رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں تو کھلی ہیں لیکن دل اندھے ہیں۔ یہ چیزیں نظر آ رہی ہیں' لیکن اللہ کی نعمت کا تصور اب بھی حاصل نہیں ہو رہا۔

## دو قرآنی دعاؤں کے التزام کی ہدایت

آپ پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات اور احسانات ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے دو دعاؤں کا التزام کریں اور انہیں اپنا صبح وشام کا وظیفہ بنالیں ـــــ ایک تو وہ دُعا جو سورۃ الاعراف میں نقل کی گئی ہے۔ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تب ایک ترانۂ حمد اُن کے دلوں کی گہرائیوں سے نکلے گا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (آیت ۴۳) ''کل شکر وسپاس' کل حمد وثنا اور کل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اِس مقام تک پہنچا دیا' اور ہم کبھی یہاں نہ پہنچ پاتے اگر اللہ ہماری راہنمائی نہ کرتا''۔ هَدٰىنَا لِهٰذَا کا ترجمہ تو ہوگا ''جس نے ہمیں اس کی ہدایت دی''۔ یعنی ہمیں ہدایت دی جس کے نتیجے میں ہم یہاں تک پہنچ گئے۔ اور ہدایت کا آخری درجہ یہی ہوتا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ واضح کیا ہے کہ آپ سے کوئی شخص کسی جگہ کا پتا پوچھتا ہے۔ آپ اُس کی راہنمائی کرتے ہیں کہ یہاں سے سیدھے چلے جاؤ' آگے چوک سے بائیں ہو جانا' پھر چوتھی لائٹ آئے گی تو اس سے دائیں مڑ جانا..... یہ بھی ہدایت (راہنمائی) ہے۔ آپ نے اسے راستہ تو بتا دیا نا! لیکن اگر آپ اس کی انگلی پکڑ کر کہیں کہ آؤ بھئی میں آپ کو وہاں پہنچا دیتا ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے کر اُس کی منزل تک پہنچا آئیں تو یہ راہنمائی کا بہترین انداز ہے۔

اللہ کی ہدایت کی بھی آخری شکل یہ ہے کہ وہ انگلی پکڑ کر ہمیں ہدایت کی آخری منزل تک پہنچا دے۔ یقیناً وہ اس طرح کی ہدایت سے بھی نوازتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ یہ اُس کی سنت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ﴾ (العنکبوت:۶۹) ''اور جو لوگ ہماری راہ میں محنت کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے۔'' اور یہ محنت اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی محنت بھی ہے ---- اللہ پر ایمان حاصل کرنے کی محنت بھی ہے ---- پھر صحیح طرز پر کام کرنے والی جماعت کی شناخت اور پہچان کی محنت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ایسی محنت کرنے والوں کے لیے اپنے راستے کھول دیتا ہے۔ تو یہ ساری نعمتیں جو میں نے گنوائی ہیں ان پر اہل جنت کا ترانہ ہماری زبانوں پر جاری ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں رہتے ہوئے گویا جنت کی نعمت عطا کر دی ہے۔ یہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ جب انہیں حکومت وقت کی طرف سے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اور تشدد وتعذیب کا نشانہ بنایا گیا تو وہ کہا کرتے تھے کہ تم میرے جسم کو تکلیف دے سکتے ہو' لیکن میری جنت تو میرے ساتھ ہے (اِنَّ جَنَّتِیْ مَعِیَ)۔ میری جنت میرے دل میں موجود ہے' اسے تو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی جسم کو تو مار پڑ سکتی ہے' روح کو تو نہیں پڑ سکتی۔ وہ ایمان جو میرے اندر ہے' جس نے میرے قلب کو منور کیا ہے اور وہ انشراح جو مجھے اسلام پر ہے اس کو تو کوئی چوٹ نہیں لگتی۔ چنانچہ ہمیں بھی اہل جنت کا یہ ترانۂ حمد اپنا صبح وشام کا وظیفہ بنا لینا چاہیے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج﴾

''کل شکر اور کل حمد وثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اس راستے کی

ہدایت دی اور یہاں تک پہنچایا' اور ہم ہرگز ہدایت یافتہ نہ ہو سکتے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا''۔

یہ بات قرآن مجید میں واضح طور پر بیان ہوئی ہے کہ اگر اللہ نہ چاہے تو انسان نہ تو ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی تذکر اور نصیحت حاصل کر سکتا ہے: ﴿وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط﴾ (المدثر:٥٦) ''اور یہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کریں گے الا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔''

پھر اس کے بعد دوسری دعا یہ کی جائے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝۸﴾ (آل عمران)

''پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اب ہمارے دلوں کو کج نہ ہونے دے (ایسا نہ ہو کہ ہم وساوسِ شیطانی کا شکار ہو جائیں یا شیطان کا کوئی اور وار ہم پر کارگر ہو جائے۔ کہیں دنیا کی محبت تیری راہ میں جدوجہد کرنے کی محبت سے زیادہ نہ ہو جائے۔) اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔''

یہ تُو ہی ہے جو ہمیں ہدایت پر قائم رکھ سکتا ہے۔ ہم سب کے دل تیری دو انگلیوں کے مابین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے اور صحابہ کرام ؓ کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے: ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ)) ''اے دلوں کو پھیر دینے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھنا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ قُلُوْبَ الْعِبَادِ بَيْنَ اُصْبُعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ)) (رواہ الترمذی واحمد) ''تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے مابین ہیں' وہ انہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے''۔ اَللّٰهُمَّ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلَى الْاِيْمَانِ' اَللّٰهُمَّ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلَى الْجِهَادِ۔ ''اے اللہ! ہمارے دلوں کو ایمان اور جہاد کی طرف پھیر دے!''

اس ضمن میں مجھے ۱۹۵۱ء کا واقعہ یاد آ رہا ہے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر کراچی سے ایک دوست آئے تھے' جن سے اوّلین تعارف تو جمعیت کے رکن کی حیثیت سے تھا' لیکن مزید تعارف پر معلوم ہوا کہ وہ ہمارے رشتہ دار بھی ہیں۔ ان کے پاس ایک آٹوگراف بک تھی اور انہوں نے مجھ سے آٹوگراف لینے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اُس وقت یہی دو آیتیں لکھی تھیں۔ مجھے اپنی تحریر کے الفاظ ابھی تک یاد ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے اس کی بہت قدر کی تھی اور اسے بہت عام کیا تھا۔ میں نے لکھا تھا:

''میرا دل کبھی کبھی ان لوگوں کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے جو کبھی اقامت دین کے قافلے میں شریک تھے' اور نمایاں طور پر شریک تھے' اور اس کے بعد پھر اس قافلے کو چھوڑ کر دنیا میں گم ہو گئے۔ میں خود ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج﴾ کے بعد اس دعا کا سہارا لیا کرتا ہوں کہ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝۸﴾ ......''

یہ دوست خرم جاہ مراد (مرحوم) تھے' جو بعد میں بہت مشہور ہوئے۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر بھی رہے اور ان کی کافی تالیفات بھی ہیں۔ اسلامی جمعیت طلبہ میں ہم ساتھی تھے۔ مجھ سے پہلے وہ جمعیت کے آل پاکستان ناظم اعلیٰ تھے۔ بہرحال یہ تو میری گفتگو کا پہلا حصہ تھا۔ اب اس کے بعد اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔

## تخلیق کائنات کے تدریجی مراحل

یہ بات ایمان و یقین کا جزوِ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک بھی ہے اور خالق بھی۔ جس طرح حروفِ تہجی میں پہلا حرف ''الف'' ہے اسی طرح یہ بات بھی ہمارے ایمان کی ''الف'' کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق و مالک ہے۔ نہ اُس کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہی اُس کے مالک ہونے میں کوئی شریک ہے۔ وہ حاکم اعلیٰ بھی ہے اور آمر مطلق بھی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''آمر'' مَیں پہلی مرتبہ استعمال کر رہا ہوں۔ آمر اور آمریت جیسے الفاظ ہماری سیاسی لغت میں گالی بن چکے ہیں' لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس طرح تکبر ہم انسانوں کے اعتبار سے ایک بہت بری چیز ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر تو یہ جامہ بالکل راست آتا ہے' چنانچہ اُس کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک ''المتکبّر'' بھی ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ سب سے بڑا آمر ہے! از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اَلَا لَهُ

الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط﴾ (الاعراف:۵۴) ''جان لو کہ تخلیق بھی اُسی کی ہے اور امر بھی اُسی کا ہے''۔ یہ دونوں عالم' عالمِ خلق اور عالمِ امر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ عالمِ امر میں بھی کوئی شے وقوع پذیر نہیں ہوسکتی جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو اور عالمِ خلق میں بھی کسی شے کا ظہور نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ کا اِذن نہ ہو۔ دوسری بات یہ واضح رہنی چاہیے کہ اُس کے امر کی شان ''کُنْ فَیَکُوْن'' ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں: ﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾﴾ (یٰسٓ) ''اُس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے کہتا ہے ہو جا' پس وہ ہو جاتی ہے۔'' اس عالمِ امر میں وقت کا عنصر (time element) بالکل نہیں ہے۔ چشم زدن میں بھی وقت لگتا ہے' جبکہ عالمِ امر میں اتنا وقت بھی نہیں لگتا۔ اس عالمِ امر سے متعلق دو مخلوقات ہیں: ملائکہ اور انسانی ارواح۔ انسانوں کا جسم یعنی حیوانی وجود تو عالمِ خلق کی شے ہے' لیکن روح عالمِ امر کی شے ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط﴾ ''(اے نبی) یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھ رہے ہیں''۔ ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ (آیت ۸۵) ''آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے ربّ کے امر میں سے ہے''۔ اس کا تعلق عالمِ خلق سے نہیں ہے' اس مادّی عالَم سے نہیں ہے' یہ شے بالکل دوسری ہے۔ تو عالمِ امر میں اللہ تعالیٰ کے احکام پورا ہونے میں چشمِ زدن کا وقت بھی نہیں لیتے۔

البتہ عالمِ خلق کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں وقت لگتا ہے اور تدریجاً کوئی شے وجود میں آتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے نوٹ کیجیے کہ کائنات کی تخلیق کے بارے میں جو نظریہ سب سے زیادہ مقبول ہے وہ ''Big Bang'' کہلاتا ہے' جس کی توثیق (verification) کے لیے زیرِ زمین ۲۷ کلومیٹر لمبی سرنگ کھودی گئی ہے۔ سائنسی اصول یہ ہے کہ نظریہ اُس وقت تک نظریہ (Hypothesis) رہتا ہے جب تک کہ ثابت (verify) نہ ہو جائے۔ ڈارون کا نظریہ آج تک ثابت نہیں ہوسکا' لہٰذا ایک نظریے کی حیثیت سے تو لوگ اسے مانتے ہیں' لیکن اس کی شدید مخالفت بھی ہے۔ اس کے برعکس یہ بات کہ پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن سے مل کر بنا ہے' ایک ثابت شدہ سائنسی حقیقت ہے۔ پانی کا hydrolysis کر لیجیے' آکسیجن اور ہائیڈروجن علیحدہ علیحدہ وجود میں آ جائیں گے' جبکہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کے اندر الیکٹرک سپارک کیجیے تو پانی بن جائے گا۔

بہرحال Big Bang ایک نظریہ ہے' اگرچہ اس پر محققین کا تقریباً اجماع ہو چکا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے اِس مادّی کائنات کی تخلیق کا آغاز اربوں سال پہلے ایک بہت بڑے دھماکے سے ہوا تھا' جس سے ایٹم سے بھی نہایت چھوٹے ذرات fotons وجود میں آئے' جن کا درجہ حرارت ناقابل تصور حد تک بلند (کھربوں ڈگری سینٹی گریڈ) تھا اور جو ناقابل تصور تیز رفتاری کے ساتھ ایک دوسرے سے دور بھاگ رہے تھے' جس کے نتیجے میں یہ آتشیں گولہ حجم میں تیزی سے بڑھتا چلا گیا اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ان ذرات کی حرارت اور ان کے باہمی کشش ثقل کی قوت و شدت میں کمی آتی چلی گئی۔ پھر یہ ناری ہیولیٰ یا بگولا مختلف حصوں میں پھٹتا چلا گیا جس سے کہکشائیں وجود میں آئیں اور ہر کہکشاں میں ناری کُرے پیدا ہوئے۔ آہستہ آہستہ بہت سے کرے ٹھنڈے پڑنے شروع ہوئے' جن میں سے ایک ہماری زمین بھی ہے۔ اس سارے عمل میں کروڑہا برس لگے ہیں۔ ہماری زمین جب ٹھنڈی ہوئی تو اس کے اوپر مٹی کی ایک دبیز تہہ پیدا ہوگئی جسے ''قشرِ ارض'' یعنی زمین کا چھلکا (Crust of the Earth) کہا جاتا ہے۔ زمین کے اندر تو اب بھی آگ بھری پڑی ہے۔ زمین کے پیٹ میں تو اس قدر درجہ حرارت ہے کہ وہاں معدنیات پگھلی ہوئی صورت میں ہیں۔ اس کے اندر سے جب لاوا ابلتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس زمین کے اندر کیا قیامت مخفی ہے۔

تخلیق کائنات کے طویل پراسیس کو میں نے تنزلات میں شمار کیا ہے۔ ایک تنزلات تو وہ ہیں جو ہمارے قدیم فلسفے کے اندر آتے ہیں۔ ایک تنزلات وہ ہیں جو ہمارے صوفیاء نے معین کیے ہیں اور ایک تنزلات وہ ہیں جو میں نے بیان کیے ہیں' جن کا تعلق قرآن اور سائنس کے ساتھ ہے۔ میں نے ان مباحث کو اپنے ایک کتابچے میں تفصیل سے بیان کیا ہے' جس کا عنوان ہے ''ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک تنزل اور ارتقاء کے مراحل''۔ اس کائنات میں جو سٹارز اور کُرے موجود ہیں' ان میں ثوابت (stars) بھی ہیں اور سیارے (satellites) بھی۔ ''ثوابت'' وہ ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ساکن ہیں' لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ بھی کم از کم اپنے محور پر گھوم رہے ہیں۔ سورج بھی سٹار ہے' لیکن اپنے گرد گھوم رہا ہے۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کائنات میں سکون نام کی کوئی شے نہیں ہے ع ''سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں!'' کائنات کی ہر شے حرکت میں ہے' جس کو قرآن نے بتکرار کہا ہے: ﴿كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء:۳۳ و یٰسٓ: ۴۰) ''ہر شے اپنے مدار میں تیر رہی ہے''۔ اس حقیقت کو تو قرآن نے کھولا' ورنہ یہی سمجھا جاتا تھا کہ دراصل زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں جا کر غروب ہو جاتا ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ نہیں' سورج تو ساکن ہے' زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ سورج بھی گھوم رہا ہے اور اس کی بھی دو حرکتیں

ہیں۔ یہ کسی اور بڑے سٹار کے گرد بھی چکر لگا رہا ہے‘ جس کا ابھی تک سراغ نہیں لگایا جا سکا‘ اور اپنے محور (axis) پر بھی گھوم رہا ہے۔ جیسے زمین اپنے محور پر بھی گھوم رہی ہے‘ جس سے دن رات وجود میں آتے ہیں اور یہ سورج کے گرد بھی چکر لگاتی ہے تو اس سے موسم وجود میں آتے ہیں۔

تخلیق کائنات میں کتنا عرصہ لگا‘ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ قرآن اس عرصے کو چھ دن کہتا ہے‘ لیکن یہ ہمارے چوبیس گھنٹے کے دن نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں ایک دن کا ذکر ہے ہزار سال کا‘ ایک دن کا ذکر ہے پچاس ہزار سال کا‘ جبکہ یہ کروڑوں سال کا ایک دن ہے‘ یہ آفاقی دن ہے۔ پوری کائنات کی حرکت کے اعتبار سے شاید وہ ایک دن بنتا ہو۔ واللہ اعلم! تو جب تک کہ وہ ناری کرے ٹھنڈے ہوئے اور زمین پر crust ظاہر ہوئی‘ جیسے انگارے کے اوپر راکھ آ جاتی ہے‘ تو اس میں کروڑ ہا برس لگ گئے۔ تو یہ عالمِ خلق کی تدریج ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ؎

مت سہل ہمیں جانو‘ پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے!

اس شعر میں ”برسوں“ کی جگہ ”صدیوں“ رکھ لیجیے۔ اس کائنات نے کتنے تنزلات طے کیے ہیں‘ تب خاک وجود میں آئی اور خاک سے انسان کا ہیولیٰ بنا۔ اس بات پر سائنس اور مذہب دونوں متفق ہیں کہ انسان مٹی سے بنایا گیا ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے‘ سائنس بھی یہی کہتی ہے۔ البتہ مٹی سے اس کی تخلیق کس پراسیس کے تحت ہوئی ہے‘ یہ بات اختلافی ہو سکتی ہے۔ بہرحال ہمارا حیوانی وجود‘ جس کا تعلق عالمِ خلق سے ہے‘ اس کا مادۂ تخلیق مٹی ہے۔ قرآن حکیم میں انسان کے مادۂ تخلیق کے لیے کہیں تُرَاب‘ کہیں طِیْن‘ کہیں طِیْنٍ لَّازِبٍ‘ کہیں صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ اور کہیں صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی کہیں فرمایا کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی‘ کہیں فرمایا گارے سے‘ کہیں سَنے ہوئے لیس دار گارے سے‘ کہیں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے اور کہیں ٹھیکری کی طرح کھنکھناتے ہوئے گارے سے۔ گویا حیوانِ آدم کی تخلیق سے پہلے اس کے مادۂ تخلیق ”مٹی“ اور اس کے منبع حیات ”پانی“ کے امتزاج سے وجود میں آنے والے ”گارے“ نے ارتقاء کے کتنے ہی مراحل طے کیے۔ مرزا بیدلؒ نے اس مضمون کو کس خوبصورتی سے شعر کا جامہ پہنایا ہے: ؎

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقشِ آدمی
اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہوشیار باش!

یعنی یہ پوری کائنات جب تنزلات کی منزلیں طے کر کے خاک تک پہنچ گئی تب انسان کا ہیولیٰ بننا شروع ہوا۔

اس شعر کا دوسرا مصرع سمجھنے کے لیے آپ کو فلسفۂ وجود سمجھنا پڑے گا۔ نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود وغیرہ کی رو سے یہ کائنات اصل میں خیالی ہے‘ اس کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے‘ گویا یہ معدوم کے درجے میں ہے۔ حقیقی وجود یا وجودِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اسے آپ سائے کی طرح سمجھ لیجیے۔ آپ شیشے کے سامنے کھڑے ہیں تو اُدھر بھی کھڑے نظر آ رہے ہیں‘ جبکہ وہاں پر شیشے کے پیچھے کچھ نہیں ہے‘ یہ تو محض آپ کا عکس ہے جو نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ کائنات کے بارے میں کہا گیا ہے: ؎

کلُّ ما فی الکون وھمٌ او خیال
او عکوسٌ فی المرایا او ظلال

یعنی کائنات میں جو کچھ ہے وہ وہم ہے یا خیال ہے‘ یا آئینے کے اندر نظر آنے والے عکس ہیں یا محض سائے ہیں۔ جیسے درخت کا سایہ زمین پر پڑ رہا ہے‘ اس سائے کا اپنا تو کوئی وجود نہیں ہے۔ تو یہ جو معدوم (کائنات) ہے اس معدوم کی بہار انسان ہے۔ اس تخلیق کا کلائمکس انسان ہے۔ اس حوالے سے مرزا بیدلؒ انسان کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں کہ اپنی قدر و قیمت سے آگاہی حاصل کرو۔ یہ کائنات معدوم ہے‘ لیکن اس کا کھلا ہوا گلاب کا پھول انسان ہے۔ اس کائنات نے تنزل کی کتنی ہی منزلیں طے کی ہیں‘ کتنا نیچے اتری ہے‘ تب انسان کا نقش پیدا ہوا ہے۔

## نبوت ورسالت کا تدریجی ارتقاء

انسان کی تخلیق کے بعد تدریج اور ارتقاء کا ایک اور مرحلہ شروع ہوا اور وہ ہے نبوت ورسالت کا ارتقاء۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے' پہلے نبی بھی تھے اور پہلے رسول بھی۔ لیکن نبوت ورسالت کی تکمیل تقریباً چھ سات ہزار برس کی تدریج کے ذریعے سے ہوئی ہے۔ اس لیے کہ یہ عالمِ خلق ہے اور عالمِ خلق کے اندر وقت لگتا ہے۔ جیسے جیسے انسان کا ذہنی ارتقاء ہوا' نبوت ورسالت کا بھی ارتقاء ہوا۔ جیسے انسان کا عہد طفولیت ہوتا ہے اور پھر وہ رفتہ رفتہ پروان چڑھتا ہے تو اس کا ذہنی شعور بھی پختہ ہوتا جاتا ہے۔ پرائمری کے ایک بچے کو آپ پی ایچ ڈی ٹیچر رکھ دیں تب بھی وہ اسے کیا پڑھائے گا؟ وہی کچھ نا جس کی اس بچے میں استعداد ہے! وہ اپنا پی ایچ ڈی کا علم زبردستی اس کے اندر نہیں انڈیل سکتا۔ اسی طرح انسان نے دنیا میں ارتقاء کے مراحل طے کیے' ذہنی طور پر بھی اور تمدنی اعتبار سے بھی۔ پہلے یہ غاروں میں رہتا تھا' پھر اس نے جھونپڑیاں بنانا شروع کیں۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر قبائل کی شکل اختیار کی۔ قبیلے کا نظام بنا۔ پھر شہری ریاستیں وجود میں آئیں۔ پھر بڑی بڑی امپائرز وجود میں آ گئیں۔ یہ انسان کا ذہنی اور تمدنی ارتقاء ہے۔ یہ دونوں ارتقاء جب اپنی پختگی (maturity) کو پہنچ گئے تو ساتھ ہی نبوت ورسالت کی بھی تکمیل ہو گئی۔ اس ارتقاء میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ تک کم از کم چھ سات ہزار سال کا فصل ہے۔ آدم نما مخلوق تو بہت پرانی شے ہے جس کا ذکر ڈارون کرتا ہے' اور اخبارات میں آتا رہتا ہے کہ اتنے لاکھ سال پرانا فاسل (fossil) نکل آیا ہے' جس کا جبڑا بالکل انسان کے جبڑے کی مانند ہے۔ یہ انسان نما مخلوق تو بہت پہلے تھی' لیکن ایک خاص انسان (Homo sapiens) جس میں اللہ نے اپنی روح میں سے پھونکا' وہ ایک شخص آدم تھا۔ وہ آدم دس ہزار سال سے پرانی شخصیت نہیں ہے۔ بہرحال حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت و رسالت کا جو سفر شروع ہوا تو وہ تقریباً چھ سات ہزار سال میں حضرت محمد ﷺ پر تکمیل کو پہنچ گیا۔

نبوت ورسالت کا جو ارتقاء (evolution) ہوا ہے' اس میں دو پہلو ہیں۔ نبوت کی انتہا ہدایت اور دینِ حق کا اِتمام و اِکمال ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾ (المائدۃ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اِتمام کر دیا''۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو دو چیزیں دی گئی ہیں: الہدیٰ اور دینِ حق۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ...... ﴾ (التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹) ''وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر......'' ہدایت قرآن کی شکل میں مکمل ہو گئی اور دینِ حق (اسلام) کی صورت میں اللہ نے ایک کامل تمدنی نظام عطا فرما دیا۔ یہ دین اللہ نے ہمیشہ کے لیے مکمل کر دیا ہے اور اب یہی دین قابل قبول ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف﴾ (آل عمران:۱۹) ''اللہ کے نزدیک (معتبر اور مقبول) دین صرف اسلام ہے''۔ اور یہ بھی فرما دیا کہ: ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج﴾ (آل عمران:۸۵) ''جو شخص بھی اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کرے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا''۔ اسے ردّ کر دیا جائے گا۔ تو یہ بھی ایک ارتقاء کا عمل ہے۔

## سورۃ المدثر کی آیات ۳۲۔۳۶ کی وجدانی تشریح

اب ان آیات کی طرف آیئے جو میں نے آغاز میں تلاوت کی تھیں۔ ان آیات میں نبوت ورسالت کے ارتقاء اور اس کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ میں ان آیات کی تفسیر بیان نہیں کر رہا' بلکہ میرے سامنے ان کی جو اذعانی اور وجدانی (intutive) شرح آئی ہے وہ بیان کر رہا ہوں۔ سورۃ المدثر کی آیات میں رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت کی تکمیل کا مضمون ہے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے پہلے بھی ہدایت دنیا میں موجود تھی' لیکن ابھی ناقص تھی۔ ظاہر بات ہے کہ چاند پورا بھی ہو جائے تو سورج کے برابر روشن نہیں ہو جاتا۔ فرمایا: ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾﴾ ''ہرگز نہیں' قسم ہے چاند کی!'' جس طرح چاند طلوع ہوتا ہے اور تدریجاً بڑھتے بڑھتے چودہ دنوں میں جا کر مکمل ہوتا ہے اسی طرح ہدایت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ تک مکمل ہو رہی تھی۔

﴿وَالَّیْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾﴾ ''اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ پیٹھ موڑ کر چل دے''۔ اس میں اشارہ کس کی طرف ہے؟ دراصل حضور ﷺ کی بعثت سے قبل ایک طویل رات گزری ہے جس میں کوئی نبوت' کوئی رسالت دنیا میں نہیں تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اس زمین پر کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا جب کوئی نہ کوئی نبی موجود نہ ہو۔ نبوت ہمیشہ موجود رہی۔ ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی بھی رہے۔ ہمیں جو تاریخ بتائی گئی ہے وہ تو صرف ایک خاص علاقے میں آنے والے نبیوں سے متعلق ہے' یعنی مڈل ایسٹ' خاص طور پر فلسطین اور اس کے اردگرد کا علاقہ' جبکہ قرآن مجید میں یہ کہا گیا ہے کہ: ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

عَلَيْكَ ط ﴾(النساء: ١٦٤)''اور (اے نبیؐ!) ہم نے اُن رسولوں پر (بھی وحی بھیجی) جن کا حال ہم (قرآن میں) پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا''۔ قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۞﴾ (الرعد)''اور ہم نے ہر قوم میں ایک ہادی بھیجا ہے''۔ کیا چین میں قوم آباد نہیں تھی؟ کیا روس میں لوگ نہیں بستے تھے؟ کیا یورپ غیر آباد تھا؟ ان خطوں میں بھی یقیناً نبی آئے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کنفیوشس نبی ہو لیکن ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ ایک خیال یہ ہے کہ گوتم بدھ اور کرشن جی نبی تھے۔ ایسا عین ممکن ہے، لیکن ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ آپ اندازہ کیجیے کہ سوا لاکھ نبی آئے ہیں جبکہ قرآن مجید میں صرف ۲۷ یا ۲۸ کا ذکر ہے۔ اسی طرح ۳۱۳ رسول تھے جن میں سے قرآن میں صرف پانچ یا سات کا ذکر ہے۔ رسولوں میں حضرت نوح علیہ السلام ہیں، حضرت ہود علیہ السلام ہیں، حضرت صالح علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر نہ تو حضرت اسحاق علیہ السلام رسول ہیں، نہ حضرت یعقوب علیہ السلام رسول ہیں، نہ حضرت یوسف علیہ السلام رسول ہیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول آئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بے شمار انبیاء آئے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام رسول آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ آئے۔ چنانچہ دنیا میں ہر جگہ پر یقیناً نبوت و رسالت کا سلسلہ رہا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ تک چھ سو برس کی تاریک رات آئی جب کوئی نبی اور رسول نہیں تھا۔ یہ ہے وہ رات! لیکن اب حضور ﷺ کی آمد پر وہ رات ختم ہو رہی ہے۔ اب اس رات نے پیٹھ موڑ لی ہے۔ ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۞﴾''قسم ہے صبح کی جبکہ وہ روشن ہو گئی ہے''۔ وہ بعثت محمدیؐ کی صبح ہے۔ اب سورج طلوع ہو رہا ہے جس کی روشنی چار دانگ عالم میں پہنچے گی۔ (ان آیاتِ مبارکہ کا بعثت محمدی ﷺ سے تعلق اس سے بھی ظاہر ہے کہ سورۃ المدثر کا آغاز آنحضور ﷺ کی بعثت کے ذکر سے ہوا ہے!)

﴿اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۞﴾''یہ یقیناً بہت بڑی باتوں میں سے ہے''۔ معلوم ہوا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نزولِ قرآن بہت بڑی باتوں میں سے ہے۔ کروڑہا سال گزر کر یہ مرحلہ آیا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا سورج طلوع ہوا ہے۔ میں جب ان آیات کو پڑھتا ہوں تو وجد میں آجاتا ہوں۔ ان کے اندر جو کیفیات ہیں، اگر ان کو انسان وجدانی طور پر محسوس کرے تو وجد میں کیوں نہ آئے!

﴿نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۞﴾''انسان کو خبردار کرنے کے لیے''۔ محمد ﷺ پوری نوعِ انسانی کے لیے نذیر بن کر آئے ہیں۔ یہ تکمیل رسالت کا مظہر ہے۔ تو اس اعتبار سے تکمیل نبوت کیا ہے؟ آپؐ کو کتاب بھی دے دی گئی جس میں ہدایت کامل ہے۔ اور دین حق کامل بھی دے دیا گیا۔ اور رسالت کی تکمیل کیا ہے؟ سب سے پہلے یہ کہ آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ حجۃ الوداع میں خطبہ کے موقع پر آپؐ نے پوچھا کہ: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟))''لوگو! میں نے پہنچا دیا کہ نہیں؟'' اس موقع پر سوا لاکھ کا مجمع تھا، اس دنیا میں جتنی تعداد انبیاء کی آئی ہے اتنی ہی تعداد میں اُس وقت حضور ﷺ کے سامنے صحابہؓ تھے۔ سب کا جواب یہی تھا کہ اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ۔ حضورؐ! ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، اللہ کی امانت کا حق ادا کر دیا۔ (یہ قرآن آپ کے پاس امانت آیا تھا، جو آپؐ نے ہم تک پہنچا دیا) آپؐ نے اُمت کا حق نصیحت ادا کر دیا اور تاریکیوں کے پردے چاک کر دیے''۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا، نبوت کو یہاں تک پہنچنے میں چھ سات ہزار سال لگے۔

## تجدید دین کا ارتقاء

محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بعد چودہ صدیاں بیت گئی ہیں اور ان صدیوں میں مجددین آتے رہے ہیں۔ البتہ مجددِ کامل کوئی نہیں آئے۔ ختم نبوت سے جو خلا پیدا ہوا، اللہ نے اس کو تین چیزوں سے پُر کر دیا۔ اوّلاً: قرآن میں کامل ہدایت نازل فرمائی اور اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا۔ ثانیاً: ہر صدی میں ایک مجدد بھیجنے کا اہتمام فرمایا۔ علماء کا قول ہے جو کہ صحیح بھی ہے کہ ایک صدی میں ایک سے زائد مجددین بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ چھوٹے چھوٹے مجدد بھی ہو سکتے ہیں۔ ثالثاً یہ کہ ہر زمانے میں ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی۔ اب جو حق کا متلاشی ہے جماعت کو تلاش کرنا اس کا کام ہے۔ یہ گھر بیٹھے نہیں مل جائے گی، اس کے لیے تلاش کرنی پڑے گی۔ زمانہ طالب علمی میں ایک نظم پڑھی تھی ؏ فَتِّش لقلبك عن رفیق کہ اپنے دل کے لیے کوئی دم ساز، کوئی رفیق تلاش کرو، کوئی ایسا آدمی ہو جس سے آپ دل کی بات کہہ سکیں تا کہ بوجھ ہلکا ہو جائے، ورنہ اس کا لاوا اندر ہی اندر پکتا رہتا ہے۔ اسی طرح: فتش لِذاتِكَ عن جماعة کہ تلاش کرو اس جماعت کو! یہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا کبھی اس جماعت سے خالی نہیں ہوگی۔ تاہم جماعت کے عنوان بدلتے رہیں گے۔ جیسے شیر شاہ سوری کے ڈاک کے نظام میں ہر تیس میل پر گھوڑا اور سوار بدل جاتے تھے، لیکن ڈاک کا تھیلا وہی رہتا تھا جو ایک گھوڑے سے دوسرے گھوڑے پر منتقل ہو جاتا تھا۔ اسی طرح دین چودہ صدیوں سے اپنی اصلی حالت میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اب یہ پندرہویں صدی تجدید کامل کی صدی ہے۔

آنحضورﷺ کے زمانے میں آپﷺ اور آپ کے صحابہؓ کی جو محنت و مشقت اور قربانیاں تھیں اس کے نتیجے میں دنیا کے سامنے خلافت کا ایک نظام قائم کر کے دکھا دیا گیا۔ اس سے دو حجتیں قائم ہو گئیں۔ اگرچہ وہ نظام کامل شکل میں صرف تیس برس رہا ہے' پھر رفتہ رفتہ اس میں زوال شروع ہو گیا۔ ع خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود! سب سے پہلے سیاسی نظام گر گیا اور موروثی بادشاہت آ گئی۔ ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ﴾ کا تصور ختم ہو گیا' لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ عالمی نظامِ خلافت آج بھی پوری عالمِ انسانیت پر حجت ہے کہ دیکھو یہ نظام قائم ہوا تھا۔ البتہ ہم پر جو جوابی حجت قائم کی جاتی ہے کہ وہ نظام اب دکھاؤ کہیں' تو اس پر ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ تاریخی حقیقت سب مانتے ہیں' بدترین دشمنِ رسول اور شاتمِ رسول ایچ جی ویلز بھی مانتا ہے۔ اس نے رسالت مآبﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخانہ تحریریں لکھی ہیں جیسے کہ رشدی ملعون نے لکھی ہیں' لیکن ایک جگہ آ کر گھٹنے ٹیک کر تسلیم کرتا ہے کہ ''اگرچہ دنیا میں انسانی اخوت و مساوات اور حرّیت کے وعظ تو پہلے بھی بہت کیے گئے تھے' حضرت مسیحؑ کے ہاں بھی بہت سے وعظ ہمیں مل جاتے ہیں' لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ صرف محمد (ﷺ) کی شخصیت ہے جس نے ان اصولوں پر مبنی ایک معاشرہ قائم کر کے دکھا دیا''(۱)۔

(۱) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ اقتباس ایچ جی ویلز کی کتاب A Concise History of the World کے پرانے ایڈیشن سے ہے۔ موجودہ ایڈیشن کے مرتبین نے اسے خارج کر دیا ہے۔

یہ حجت ہے نوعِ انسانی پر۔ دوسری حجت مسلمانوں پر ہے کہ دیکھو انسانی جدوجہد سے یہ نظام قائم ہو سکتا ہے۔ اب اس نظام کو دوبارہ قائم کرنا تمہارے ذمے ہے۔ حضورﷺ اور صحابہ کرامؓ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے تھے۔ بہت سے صحابہؓ کی جانیں قربان ہوئیں۔ خون تو حضورﷺ کا بھی بہا ہے' اگرچہ آپؐ کی خواہش اور تمنا تو یہ تھی کہ اللہ کی راہ میں بار بار سر کٹانے کا موقع ملے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

((لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ)) (صحیح البخاری)

''میرے دل میں بڑی آرزو اور بڑی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں' پھر مجھے زندہ کیا جائے' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں''۔

لیکن یہ اللہ کا قانون ہے کہ رسول قتل نہیں ہو سکتے۔ از روئے نص قرآنی: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ ؕ﴾ (المجادلۃ: ۲۱) ''اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول لازماً غالب آ کر رہیں گے''۔ چاہے اس شکل میں آئیں کہ سارے کفار کو فنا کر دیا جائے اور رسول اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا جائے۔ جیسے قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ اور قومِ شعیبؑ کے ساتھ ہوا' صدوم اور عاموره کی بستیوں کے ساتھ ہوا۔ بہرحال نوعِ انسانی پر ایک حجت قائم ہوئی کہ یہ بہترین نظام ہے۔ دوسری حجت مسلمانوں پر قائم ہوئی ہے کہ انسانی محنت' جدوجہد اور جان کی قربانی کے ذریعے تم بھی یہ نظام قائم کر سکتے ہو۔

## سورۃ الانشقاق کی آیات ۱۴۔۱۹

تجدید دین کے ارتقاء اور اس کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے قرآن کے دوسرے مقام (سورۃ الانشقاق) میں' جس پر میں جھوم اٹھتا ہوں۔ یہاں بھی رات کا ذکر بھی ہے اور چاند کا بھی۔ ان دونوں مقامات کے اندر یہ چیز مشترک ہے۔ فرمایا: ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ﴿۱۶﴾﴾ ''تو نہیں' میں قسم کھاتا ہوں شفق کی''۔ جب سورج غروب ہو جائے لیکن اس کی روشنی بادلوں سے منعکس ہو کر آسمانوں کو سرخ کر رہی ہو تو اسے شفق کہتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک بطورِ دین اسلام کا سورج غروب ہو چکا ہے' ہاں شفق باقی رہ گئی ہے: ﴿وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ۙ﴿۱۷﴾﴾ ''اور قسم ہے رات کی اور اُن چیزوں کی جس کو وہ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے''۔ یہ سیاہ رات کوئی چار سو برس کی ہے۔ سورۃ المدثر میں ﴿وَالَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ۙ﴿۳۳﴾﴾ کے الفاظ آئے تھے جبکہ یہاں کہا گیا: ﴿وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ۙ﴿۱۷﴾﴾ ''اور قسم ہے رات کی اور جو کچھ وہ جمع کر لیتی ہے''۔ رات چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی ڈھانپ لیتی ہے' سانپ بچھو بھی نکل آتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن کی طرف اشارہ ہے' انہیں آئندہ بیان کیا جائے گا۔

﴿وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور قسم ہے چاند کی جب وہ رفتہ رفتہ پورا ہو جاتا ہے''۔ جس طرح چاند چودہ دن میں پورا ہوتا ہے اسی طرح اسلام کی کامل تجدید کو چودہ صدیاں لگی ہیں۔ اب تجدید کامل کا وقت آ پہنچا ہے۔ پندرہویں صدی ہجری کے مجدد مہدی ہوں گے' جن کی خبر دی گئی ہے۔ البتہ ان کا راستہ ہموار کرنے کے لیے پہلے چھوٹی چھوٹی کوششیں ہوں گی۔ کہیں اسلام کا نظام عدلِ اجتماعی قائم ہوگا جہاں سے فوجیں حضرت مہدیؑ کی حکومت قائم کرنے کے لیے جائیں گی۔ یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اسلام کی تعلیمات دنیا میں ایسے رہ گئی تھیں جیسے شفق ہوتی ہے۔ دین کا سورج غروب ہو چکا تھا اور پھر رات آئی تھی۔ جیسے چاند کی روشنی مستعار ہوتی ہے اسی طرح مجدد دین کی روشنی بھی اپنی نہیں ہے' بلکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے مستعار ہے۔ لہٰذا یہ چاند ہے اور چاند چودہ راتوں میں جا کر مکمل ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾﴾ ''تم یقیناً درجہ بدرجہ اُوپر اٹھو گے''' یعنی یہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام جب ایک دفعہ غروب ہونے کے بعد چاند کی شکل میں نکلے گا تو چودہ صدیوں میں سیڑھی کے درجوں کی طرح تدریجاً اس کی تجدید کامل کا مرحلہ آئے گا۔ کائنات کی تخلیق میں تدریج ہے' انسان کی تخلیق میں تدریج ہے' نبوت و رسالت کی تکمیل میں تدریج ہے اور اس کے بعد آخر میں خلافت کا نظام قائم ہونے میں بھی تدریج ہوگی' یہاں تک کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پوری دنیا پر قائم ہو کر رہے گی۔ (سورۃ الانشقاق کی اِن آیاتِ مبارکہ کا تعلق دینِ حق کی تدریجی تجدید کے ساتھ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس سورت کا آغاز قیامت کے ذکر سے ہوا ہے' اور دین کی کامل تجدید اس کے قریب کے زمانے میں ہی ہوگی' اور اس ضمن میں ''لَتَرْكَبُنَّ'' میں جو صیغہ جمع کا وارد ہوا ہے کہ یہ اُمتِ مسلمہ کا معاملہ ہے۔ جبکہ سورۃ المدثر میں صیغۂ واحد میں استعمال ہوا ہے' اس لیے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے متعلق ہے۔)

## تجدید کامل کا مرحلہ اور ہماری ذمہ داریاں

یوں سمجھئے کہ ملت اسلامی کا قافلہ چودہ سو برس کے اندر آنے والے جزوی مجددین سے گزرتے ہوئے تجدید کامل کے مرحلے پر کھڑا ہے۔ اب اللہ کا دین پورے کا پورا کامل صورت میں پوری دنیا میں دوبارہ قائم ہوگا۔ اب چونکہ دنیا گلوبلائز ہو چکی ہے لہٰذا یہ نظام کل روئے ارضی پر قائم ہوگا۔ ابھی اس قافلے کے لیے جزوی کوششیں ہو رہی ہیں۔ خاص طور پر برعظیم پاک و ہند میں جو کوششیں ہوئی ہیں' اس لڑی میں تنظیم اسلامی بھی شامل ہے۔ یہ کوئی آسمان سے نہیں گری ہے' بلکہ اس کا بھی تدریجی ارتقاء ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے اس فکر کو تازہ کیا کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ ابوالکلام آزاد نے (۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک) حزب اللہ قائم کی۔ اس کے بعد مولانا مودودی آئے اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۱ء تک وہ اسی اصولی انقلابی جدوجہد میں لگے رہے۔ اس کے بعد ان کی جماعت انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں کود پڑی۔ پھر ہم نے اس کام کو شروع کیا ہے۔ تو یہ اصل میں تدریجی ارتقاء ہے۔ ابھی ہو سکتا ہے ایک دو نسلیں اور بیت جائیں' لیکن اس کے بعد لازماً پوری دنیا پر خلافت کا سورج طلوع ہوگا' جو اپنی نورانی تعلیمات اور نظامِ عدلِ اجتماعی کے ذریعے روئے ارضی کو منور کر دے گا۔ بقول علامہ اقبال ؎

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

یہ ہو کر رہے گا ---- اور تنظیم اسلامی درحقیقت اسی کی ایک کڑی ہے۔ اسی کی جدوجہد کرنے کے لیے ایک ہیئت تنظیمی ہے۔ اب یہ کام آپ لوگوں کا ہے کہ اس کے فکر کو پرکھیں' اس کے اہداف کیا ہیں ان کا شعور حاصل کریں۔ تنظیم کے طریقہ کار کو سمجھیں' اس کے نظامِ تربیت اور تزکیہ سے آگاہ ہوں۔ یہ تفتیش اور تحقیق بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ایک حصہ ہے۔ جب نیت یہ ہو کہ ہمیں اس کام میں لگنا ہے تو دیکھنا چاہیے کہ کون سی جماعتیں اس میدان میں برسرِعمل ہیں۔ ان جماعتوں میں آپ تلاش کیجیے۔ وہ حدیث میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت لازماً حق پر قائم ہوگی۔ اس سے کوئی استثناء نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی جماعت تو موجود ہے' اس کو تلاش کرنا آپ کا کام ہے!

اقول قولی هذا واستغفراللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○